

فنا فی اللہ کی تہہ میں بقا کا راز مضمر ہے
جسے مرنا نہیں آتا اسے جینا نہیں آتا

اور پشتوں میں ہمارے رحمان بابا فرماتے ہیں: چہ دھجران ہسے سختی لری رحمانہ

لا پنخوا تر هغه دمه ولی نه مرم ("الحق"، ج ۴۹، ش ۴، ص ۳۹)

یہاں پر ایک لطیفہ عرض کرتا چلوں، فانی مرحوم نے ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ میں ہمیشہ اپنے سرہانے پر قلم و قریطاس ضرور رکھتا ہوں، ایک مرتبہ اہلیہ نے اس کی وجہ پوچھی تو میں نے کہا کہ رات کے کسی بھی وقت اشعار کا "ورود" ہو سکتا ہے، اگر فوراً انہیں قلم بند نہ کر لوں تو ذہن سے محو ہو جاتے ہیں۔

آخر میں حضرت فانی کے کلام سے اپنے پسندیدہ اشعار نقل کر رہا ہوں جو نہ صرف قارئین کے ذوق کی تسکین کریں گے بلکہ ان کے مطالعہ سے شاعری میں فانی مرحوم کے مقام کا اندازہ بھی ہو جائے گا۔

جمیل و نازنین تم ہو حسینوں کے حسین تم ہو
اجالے جس سے پھوٹے ہیں وہ مہتاب جبین تم ہو

طعنہ ہائے گمر ہی ہم سہ رہے تھے رات دن
رہ پر جب آگئے تو رہنما کوئی نہ تھا

ان کے ہاں فانی ذرا دیکھو بھی اپنا اعتبار
آہ کھینچی ہے کسی نے، تجھ پہ ہی الزام ہے

زہدا تم نے چکھا ہے زہد و طاعت کا مزا
لذت جرمِ محبت ہم گنہ گاروں سے پوچھ

ہر کوئی کہتا ہے وہ معصوم صورت دیکھ کر
یہ فرشتہ ہے کوئی یہ شکل انسانی نہیں

اپنی قسمت سے گلہ تھا ان سے کچھ شکوہ نہ تھا
اس حسین پیکر نے میرے عشق کو سمجھا نہ تھا

جناب حمد اللہ یوسفزئی *

تخلیق کار، ادیب و شاعر

26 فروری کو حضرت مولانا محمد ابراہیم فانی اس فانی دنیا سے رحلت کر گئے بلاشبہ آپ عصر حاضر کے ایک جید عالم، مستند مدرس، مورخ، سوانح نگار، مرثیہ نگار اور ایک کہنہ مشق شاعر اور ادیب تھے اس پر متزاد آپ ایک جی دار، مخلص، مرنجان مرغ، محفل آراء اور درد دل رکھنے والے انسان تھے۔ آپ کے والد صاحب مولانا عبدالحلیم اپنے وقت کے مشہور و معروف عالم اور صوفی بزرگ تھے دارالعلوم حقانیہ میں کئی سال تک صدر مدرس کی حیثیت سے خدمات انجام دیں، آپ کے والد آپ کو لڑکپن میں دارالعلوم حقانیہ لے آئے۔ اور آپ یہی کے ہو کر رہے۔ یہاں مروجہ علوم حاصل کئے اور یہاں سے مدرس کی حیثیت سے اپنی علمی زندگی کا آغاز کیا، تین عشروں سے زیادہ عرصے تک آپ درس و تدریس سے منسلک رہے۔ آپ نے ایک مدرس کی حیثیت سے اپنی ذمہ داریاں انتہائی احسن طریقے سے نبھالیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے تلامذہ آپ سے نسبت تلمذ پر فخر محسوس کرتے ہیں۔

تصنیف و تالیف: بحیثیت مصنف، مؤلف، اور مضمون نگار یقیناً آپ نے اس خطے میں صدیوں سے رقم و تحریر میں موجود کمی کو پوری کرنے میں اپنا مقدور بھر حصہ ڈالا۔ آپ کئی کتابوں کے مصنف اور مؤلف تھے۔ آپ جس موضوع پر قلم اٹھاتے اس کا پورا پورا حق ادا کرتے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے تصنیف و تالیف کے شعبے میں اعلیٰ صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ آپ جب کسی موضوع پر قلم اٹھاتے تو ایسا محسوس ہوتا کہ گویا الفاظ آپ کے مطبع ہیں خود بخود آپ کی جھولی میں آگر رہے ہیں اور آپ ان الفاظ کو اپنی تحریر میں موتیوں کی طرح جڑ رہے ہیں آپ کی علمی تصانیف میں دروس الکافیہ، العیون الصافیہ اور افادات حلیم شامل ہیں۔ سوانح نگاری میں حیات صدر المدرسین، حیات شیخ القرآن قابل ذکر ہیں، اردو شاعری میں نالہ زار، داغباے فراق اور پشتو شاعری میں ”ازغی دتمنا، ویرژن تصورات، بے شانہ غم، شاہین دتخیل، بیا درد و نہ پہ خندا دی، دنیا د احساساتو، سو گیلے مے زڑگے غواڑی“ شامل ہیں۔

شاعری: آپ ایک کہنہ مشق شاعر تھے چونکہ آپ ایک حساس اور درد دل رکھنے والے انسان تھے اسلئے

مسلمانوں کے موجودہ دور میں زبوں حالی، سماجی نا انصافی، معاشرہ میں بے راہ روی اور بگاڑ، خاندانی نظام کی تنزلی، اقربا پروری اور دیگر مضمرات کو نہ صرف اپنا دل پینا سے محسوس کرتے، بلکہ اس کا رونا بھی روتے، یہی وجہ ہے کہ آپ کی شاعری میں جہاں بحیثیت ایک عالم خوف خدا کا درس، عشق رسول سے سرشاری، دین کی رسی سے مضبوط بندھن، اسلاف کے نقش قدم پر چلنا اور مکمل اسلامی تعلیمات سے اپنے آپ کو متصف کرنا شامل ہیں تو وہاں اس دور پر فتن میں زندگی گزارنے اور اس میں موجود ناہمواریوں کو محسوس کرنا اور خود اپنی زندگی کے نشیب و فراز اور ابتلاء ہائے کی وجہ سے آپ کی شاعری میں دردِ عالم اور دنیا کی بے ثباتی کی جھلک نمایاں ہے۔ بلکہ بسا اوقات تو آپ کی شاعری پر ایسا گمان پڑتا ہے کہ آپ کی شاعری کا مرکزی موضوع ہی دردِ عالم ہے۔

سوانح نگاری: مولانا مرحوم سوانح نگاری میں اپنی مثال آپ تھے۔ آپ نے بہت سے نابعد روزگار شخصیات کی حیات اور کارہائے نمایاں پر بہت سے مضامین تحریر کئے ہیں۔ جو مختلف رسائل اور جرائد میں بکھرے پڑے ہیں، سوانح نگاری میں ”حیات صدر المدرسین“ اور ”حیات شیخ القرآن“ آپ کی حیات میں منظر عام پر آچکی تھیں۔ حیات صدر المدرسین میں آپ نے اپنے والد مولانا عبدالحلیمؒ کی زندگی، دینی خدمات، ان کے اساتذہ تلامذہ کے بارے میں تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ اسی طرح حیات شیخ القرآن میں اپنے استاد حضرت مولانا عبدالبہادی المعروف شاہ منصور باباجی کی 60 سالہ دینی خدمات کو پیش کیا ہے آپ نے 1976 میں شاہ منصور میں آپ سے دورہ تفسیر پڑھا تھا اور ان دنوں علم میراث میں حضرت مولانا شیخ شمس البہادیؒ سے استفادہ کیا تھا

مرثیہ نگاری: بلاشبہ آپ خیر پختونخوا کے عظیم اور منفرد مرثیہ نگار تھے مرثیہ نگاری میں شاید اس خطے میں کوئی آپ کا ہم پلہ ہو، آپ نے اپنے دور کے اکثر علماء، مشاہیر اور اساتذہ کرام پر مرثیے لکھے ہیں، آپ جب کسی مرحوم پر قلم اٹھاتے تو مرحوم اور اس کے کارہائے نمایاں کو جسم انداز میں قاری کے سامنے پیش کرتے اور جب مرحوم کو خراج عقیدت پیش کرتے اور اس کی رحلت پر ماتم کناں ہوتے تو قاری کو رلانے پر مجبور کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی مرثیہ نگاری کو نہ صرف اندرون ملک بلکہ بیرونی ملک میں وہ پذیرائی اور شہرت حاصل ہے جو کم لوگوں کے حصہ میں آتی ہے۔ بلامبالغہ آپ انیس اور مرزا، دبیر کے پائے کے مرثیہ نگار تھے۔ آپ کے مرثیے وقتاً فوقتاً مختلف رسائل جرائد اور اخبارات میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ مولانا مرحوم کے غیر مطبوعہ مضامین اور مرثیے اکٹھے کرنا اور کتابی صورت میں شامل کرنا ضروری امر ہے تاکہ اس طرح یہ محفوظ و مامون بن سکے۔ اور آئندہ نسلیں اس سے بہرور ہو سکیں۔

مورخ: حضرت مولانا مرحوم نے صرف اپنے آبائی ضلع صوابی اور خیر پختونخوا اور پختونو کی تاریخ سے حد درجہ واقفیت رکھتے تھے بلکہ آپ قدیم تہذیبوں اور مذاہب کی تاریخ سے بھی پوری طرح آشنا تھے۔ اسلام کے ابتدائی دور سے لے کر آج تک تمام اسلامی تحریکوں اور بالخصوص برصغیر کے علماء و مشائخ اور صوفیانہ کام کی تاریخ تو گویا از بر تھی۔

دینی مدارس کی تاریخ اور روزمرہ معلومات سے باخبر رہے۔ سیاسی تحریکوں سے بھی شناسا تھے آپ کو پشتو، عربی، فارسی اور اردو شاعری اور ادب کی تاریخ پر بھی کافی عبور حاصل تھا۔ اس لئے جب آپ کسی مجلس میں تاریخ پر بولتے تو سامعین کی خواہش ہوتی کہ آپ بولتے رہے اور ہم سنتے رہے۔

خطابت: حضرت مولانا ابراہیم فانیؒ خطابت کے بے تاج بادشاہ تھے فن خطابت میں یدِ طولیٰ رکھتے۔ آپ کا انداز بیان انتہائی دلکش جامع اور پراثر ہوا کرتا۔ اپنی شیریں زبانی سے تقریر کے حسن کو دوبالا کرتے۔ آپ ایک بلند پایہ عالم، مصنف ادیب، شاعر اور محسوس کرنے والے انسان تھے۔ اس لئے اپنی تقریر کو ادبیانہ واقعات، اشعار اور لطائف سے مزین کرتے۔ آپ کسی بھی موضوع پر جب بولنے کے لئے اٹھتے تو ایسے دلکش، فصیح، و بلیغ اور میٹھے انداز میں تقریر کرتے کہ ایک بات کو سامعین کے ذہن میں بٹھاتے۔ آپ کی تقریر میں سامعین بوریٹ کا شکار نہیں ہوتے۔ بلکہ سامعین مزید سننے کی خواہش رکھتے۔ تقریر میں جہاں دلائل کی ضرورت محسوس ہوتی آپ قرآنی آیات اور احادیث نبویؐ سے دلائل کے انبار لگاتے۔ غرض یہ کہ فن تقریر کی باریکیوں سے خوب واقف تھے۔

بے شک آپ ایک متحرک، فعال، جی دار اور عملی جدوجہد سے سرشار انسان تھے آپ کی ساری زندگی علوم نبویؐ کی آبیاری کرتے ہوئے گزری۔ آپ نے کبھی دنیاوی اخترِ بخت کو اہمیت نہ دی۔ گو کہ آپ دنیا زندگی میں ہمیشہ تہی دامن رہے لیکن آپ نے کبھی دنیاوی تہہ دامن کو دینی مال و متاع پر غالب نہیں آنے دیا۔ بلکہ آپ ہمیشہ دینی مال و متاع کو سینے سے لگا کر صبر و رضا اور شکر کے پیکر بنے رہے۔ حرف شکایت کبھی زبان پر نہیں لائی اور راہِ استقلال میں نمونہ اسلاف بنے رہے اور خودی خودداری اور فقر میں ہمیشہ اکابرین کی راہ پر گامزن رہے جب کسی محفل میں وارد ہوتے تو جلد ہی اپنی شیریں زبانی، کی بدولت میر محفل بن جاتے۔ آبائی مٹی سے محبت اور عقیدت کا یہ عالم تھا کہ آپ کے اپنے والد محترم پر لکھی گئی کتاب ”حیات صدر المدرسین“ میں ”زروبی“ کے عنوان سے شامل نظم سے ملتا ہے۔ جس میں آپ نے اپنے جنم بھومی کے ذرے ذرے کو والہانہ انداز میں خراج عقیدت پیش کی ہے آپ سے اساتذہ سے عشق کرنے والے انسان تھے۔ جب راقم اور مولانا اعجاز الحق صاحب ”تذکرہ حضراتِ شیعین“ کی تدوین کے سلسلے میں دارالعلوم حقانیہ جاتے تو کمزوری اور بیماری کے باوجود عزیزم بابر حنیف کے دفتر میں ہماری آمد سے پہلے موجود ہوتے اور ہماری رہنمائی فرماتے۔

آج حضرت مولانا محمد ابراہیم فانیؒ بظاہر فانی تخلص ہم سے بچھڑ گئے لیکن وہ اپنے کارہائے نمایاں کی بدولت ہمیشہ زندہ جاوید رہیں گے۔ بقول معروف نقاد اور ادیب نور الامین یوسفزئیؒ کہ تخلیق کار کبھی نہیں مرتا وہ اپنے فن پاروں کی وجہ سے ہمیشہ زندہ ہوتا ہے

مولوی رحمت اللہ متقی *

ایک جانباز مدبر سے ہوا خالی جہاں

آج ہر آنکھ میں آنسو ہیں شراروں کی طرح
کیا صدمہ ہے کہ ہر روح مغموم ہوئی
ایک جانباز مدبر سے ہوا خالی جہاں
پھر سے دنیا کسی انسان سے محروم ہوئی

موتُ العالم، موتُ العالم!

فاتی صاحب کی دل نشین عظمت، آپ کی جلالتِ شان، آپ کے پُرکشش اخلاق، آپ کی بے ریا للہیت، آپ کی فنائیت فی اللہ کے عظیم مظاہر، آنکھوں کے سامنے اپنی پوری رعنائی اور آب و تاب کے ساتھ گھوم رہے تھے۔ ہم طالب علم لوگ، جس روحانیت کے پیکر اور تروتازہ شجر سایہ دار کی پُر سکون چھاؤں میں بیٹھ کر دنیا کی تمام تھکاوٹیں اور پریشانیاں بھول جاتے تھے اور دل اتنا خوش ہو جاتا تھا، جیسے ہمیں دنیا کی سب سے بڑی خوشی مل گئی ہو... آج وہ شجر رہا اور نہ ہی اس شجر کا سایہ ہی کہیں دیکھنے کو ملتا ہے۔ ہم، جن کی قرآن و حدیث کی پُر کیف لذت سے لبریز مترنم آواز پر ہمہ تن گوش ہو جایا کرتے تھے، آج وہ مسرور کن زمرے ہم سے بہت دور چلے گئے ہیں۔ وہ آواز اب ہمیشہ کیلئے خاموش ہو گئی ہے۔ حضرت استاذ نور اللہ مرقہ ان شخصیات میں سے تھے، جنہوں نے اپنی ساری زندگی دینِ مبین کے لیے وقف کر دی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں جتنی عظیم صلاحیتیں ودیعت فرما رکھی تھیں، انہوں نے وہ اللہ ہی کے راستے میں ایسے زبردست طریقے سے استعمال کیں ہیں کہ اس طرزِ حیات کو دیکھ کر بے ساختہ رشک سا آتا ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ انہوں نے اپنے پیارے اللہ کی رضا کے واسطے دنیا کو چھوڑ رکھا تھا، اسی لیے میرا وجدان کہتا ہے: ان کی پُر سکون حیاتِ مستعار کا یہ ایک بہت بڑا راز تھا کہ خدا ہر تقدیر سے پہلے اُن سے پوچھا کرتا تھا... ”اے میرے بندے! بتا تیری رضا کیا ہے؟؟؟“

حضرت صدر صاحب نے اپنے خونی بیٹے اور مستقبل کے ہمارے روحانی استاذ مولانا محمد ابراہیم صاحب کو اپنے فانی اللہ کے رنگ میں رنگ دینے والی اور اسوۂ حسنہ کہلائے جانے کے لائق ایسی قابل تقلید پرورش کی کہ: الحمد للہ! فانی صاحب کی موجودگی میں صدر صاحب کی کمی محسوس نہیں کی جاتی تھی۔ جب سے فانی صاحب نے دارالعلوم حقانیہ میں حفظ قرآن کریم اور ابتدائی درسی اسباق کے لیے داخلہ لیا، تب سے ہی وہ حقانیہ کے ہو کر رہ گئے تھے۔ چنانچہ استاذ جی نے تمام اسباق دارالعلوم حقانیہ ہی میں پڑھے ہیں۔ مروجہ تعلیمی نظام سے فراغت کے اگلے ہی سال دارالعلوم حقانیہ میں بہ طور مدرس مقرر ہو گئے اور تاحیات جامعہ ہذا میں درس و تدریس کا سلسلہ بلا ناغہ جاری رکھا۔ استاذ جی اپنے مزاج کے مطابق بذات خود پڑھنے اور پڑھانے کا بہت شوق اپنے دل کے نہاں خانوں میں رکھتے تھے۔ اپنے آخری ایام حیات میں بستر مرگ پر لیٹے ہوئے جب علمی شوق نے تڑپایا اور تعلیمی دھن نے ستایا، تو علم و عمل کے پاکیزہ جذبات کی رو میں بہتے ہوئے قسم کھا کر بندہ سے اپنی غالب خواہش کا تذکرہ فرمانے لگے کہ: ”ارے رحمت خان! اگر میں خدائے ذوالجلال سے صحتِ عاجلہ و کاملہ کی دعا مانگتا ہوں، تو صرف اس لیے کہ میں درس گاہ تک جا کر مہمانانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو سبق پڑھاؤں۔ بس! یہ میرے لیے بہت بڑی غنیمت ہے۔“

ہم طلباء اس بات کو تمام سکہ رائج الوقت موضوعات پر استاذ جی کی وسیع دست رس ہی کہتے ہیں کہ طلباء اکثر آپ رحمہ اللہ سے مختلف موضوعات پر جان دار اور قولِ فیصل کی حیثیت کا حامل کلام فرمانے کی فرمائش کیا کرتے تھے۔ چنانچہ امسال بھی جب علم کی شدید لگن رکھنے والے طلباء نے قادیانیوں کے حوالے سے بہتر سے بہتر مدلل علم کے حصول کے لیے استاذ جی رحمہ اللہ سے اپنی تمنائے علم کا اظہار کیا، تو ہمارے مددو ح استاذ صاحب رحمہ اللہ کی روان زبان سے علم کا ایک آبشار بہنے لگ گیا۔ میں اپنے ذاتی حوالے سے یہ کہنا چاہوں گا کہ اُس دن دورۂ حدیث کی درس گاہ میں ایک عجیب سامان بند گیا تھا۔ نصف گھنٹے کے مختصر سے دورانیے میں استاذ جی نے اسلام و پاکستان کے پیدائشی دشمن قادیانیوں کی مذموم ریشہ دوانیوں کی خوف ناک حقیقت کچھ اس انداز میں واضح فرمائی کہ آج تک قادیانی پروپیگنڈے کو کثیر مطالعے کے باوجود نہیں سمجھ پایا تھا۔

استاذ جی نے جہاں تدریسی خدمات بھرپور طریقے سے انجام دی ہیں، وہاں استاذ محترم ایک زبردست مصنف بھی تھے۔ اردو، پشتو اور فارسی میں آپ رحمہ اللہ نے مختلف موضوعات پر بے حد قیمتی کتابیں تصنیف فرمائی ہیں۔ آپ رحمہ اللہ عوام و خواص میں بہ حیثیت ایک قابلِ قدر اور معاشرے کی نبض شناس مصنف کے طور پر پہچانے جاتے تھے۔ استاذ جی کی 13 تصانیف اور تالیفات اب تک موجود ہیں اور کئی گراں مرتبت کتب پر ابھی کام جاری ہے۔

استاذ جی فانی صاحب رحمہ اللہ کو شعر و شاعری سے بہت دل چسپی تھی۔ چنانچہ استاذ جی کی اکثر کتابیں فی البدیہہ اور بے ساختہ انتہائی، خالص، آگے اور فکر خیز شعر و شاعری ہی کی ہیں۔ شعر و ادب سے خصوصی لگاؤ بھی استاذ جی

کے صاف ستھرے مزاج کا ایک انوکھا دل فریب حصہ تھا۔ استاذ جی شعراء کے حلقے میں، موت کے بعد والی زندگی کی طرف خاموش اشارے کی حیثیت رکھنے والے شعری نام ”فاتی“ کے تخلص سے جانے جاتے تھے۔ آپ زمانہ طالب علمی ہی سے اردو، عربی، پشتو اور فارسی زبان میں اپنا اظہار مافی الضمیر اشعار کی صورت فرمایا کرتے تھے۔ کوئی بھی شخص آپ کے زرخیز دماغ کی سوہنی دھرتی میں جنم لینے والے درخشاں اشعار پڑھ کر ہی اندازہ کر سکتا ہے کہ ان میں کتنی سلاست، روانگی اور پُر کیف معنویت پائی جاتی ہے۔ آپ رحمہ اللہ کے شاہکار مضامین اور دل دار، اشعار مختلف زبانوں میں زمانہ طالب علمی ہی سے اب تک اندرون و بیرون ملک کے مؤقر اخبارات و جرائد کے وقار، مرتبے اور زینت میں اضافے کا سبب بنتے چلے آ رہے ہیں۔ چار زبانوں میں نہ صرف عبور رکھنا، بلکہ دنیائے شعر و سخن کی زمین میں اپنا باذوق شعری گھوڑا سرپٹ دوڑانا، استاذ جی فاتی صاحب رحمہ اللہ ہی کی وہ خصوصیت تھی، جو انہیں اللہ رب العزت کی طرف بہ طور عطیہ عنایت فرمائی گئی تھی۔ شاعری میں استاذ جی کی پسندیدہ شخصیات: اردو و فارسی کے علامہ اقبال اور پشتو کے رحمان بابا تھیں۔ وہ اپنے آپ کو رحمان بابا اور علامہ محمد اقبال کا روحانی بیٹا باور کیا کرتے تھے۔

رحمان بابا اور علامہ اقبال۔ جِسْمُہُمَا اللہ کے سیکڑوں اشعار آپ کی نوک زبان پر ہر دم مچلتے رہتے تھے۔ چنانچہ جب بھی ان کا تذکرہ ہوتا، تو استاذ جی اپنے مخصوص طرزِ سخن میں ان کی مدح... ایسی شخصیات کے رُوب میں فرمایا کرتے تھے، جو اپنے فن میں کمال رکھنے کے باوصف اپنے چاہنے والوں کے دلوں پر حکمرانی کیا کرتی ہیں۔

استاذ جی نور اللہ مرقدہ تاریخ سے بھی بہت دل چسپی رکھتے تھے۔ آپ ایک بہت ہی اچھے تاریخ دان بھی تھے۔ یہی وجہ رہی ہے کہ استاذ جی کے اشعار کا اکثر حصہ... ہماری تاریخ پر مشتمل ہے۔ آپ کو اپنے اکابرین سے دلی وابستگی اور محبت... والہانہ عشق کی حد تک تھا۔ استاذ جی کی بے تکلف مجلس میں اکابر دیوبند کا بھی بہت تذکرہ رہتا تھا اور نادر و نایاب معلومات کا ایک وسیع دریا بہتا رہتا تھا۔ اردو، عربی، فارسی اور پشتو زبان میں دیوبند اور اکابر دیوبند پر استاذ جی نے بہت زیادہ نظمیں، اشعار اور مرثیے کہہ رکھے ہیں۔

فاتی صاحب کے شاگرد اور خادم خاص برادرِ مفتی شوکت علی حقانی صاحب، جو اکثر سفر میں استاذ جی کے ہم راہ رہا کرتے تھے، تذکرہ فرماتے ہیں کہ: ”استاذ جی بار بار یہ ارادہ فرماتے اور ان کی دیرینہ تمنا تھی کہ دنیا بالخصوص ہندوستان اور پاکستان میں جہاں جہاں اکابر مدفون ہیں... ان کی قبروں پر حاضری دوں گا۔“

استاذ جی نے اپنی پُر نور حیاتِ مستعار میں اگرچہ ایک بار حج کیا تھا، مگر خانہ خدا کی زیارت کا شوق اور اَلْفَتْ مِصْطَفٰی کی تمازت کا سرور، اُن کے سینہ مبارک میں پنہاں ہونے کی وجہ سے وہ بار بار سرزمینِ حجاز جانا اپنے لیے دنیا و مافیہا کی انمول نعمتوں سے بھی زیادہ بہتر سمجھتے تھے۔ یقیناً یہ فاتی صاحب کے عشقِ رسول کی وہ موجیں ہیں، جو اُچھل اچھل کر ساحلِ مدینہ کو لوس رہنے کے لیے استاذ جی کے لیے ماضی میں بہتی تھیں۔ آپ نے اسی محبت و چاہت

کے چمن پُربہار میں بیٹھ کر رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں سیکڑوں نعتیں لکھیں ہیں۔ ہسپتال میں استاذ جی نے مجھے بتایا کہ: ”میں آپ کو تحدیث بالنعمت کے طور پر بتاتا ہوں کہ میں نے گزشتہ رمضان المبارک کی پاک ساعتوں میں 360000 بار درود شریف کا ورد کیا ہے۔ اور اب بیماری کے دوران بھی اطمینانِ نفس کی خاطر... وردِ زباں، درود پاک ہی کو بنا رکھا ہے۔ اس بستر پر لیٹ کر اب تک میں نے 10000 مرتبہ درود شریف پڑھا ہے۔“ استاذ جی کا سفر حج صبح کے وقت میں بالکل اچانک ہوا تھا۔ استاذ جی رحمہ اللہ... وہ رُودادِ مہر و وفا بار بار بیان فرماتے اور پر غم آنکھوں سے روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضری کا قصہ سنایا کرتے تھے۔ جب استاذ جی کو ان کے آبائی گاؤں زروبی میں سپرد خاک کر کے حقانیہ واپسی پر میں اور مفتی شوکت علی حقانی صاحب استاذِ حدیث جامعہ دارالعلوم حقانیہ مفتی سیف اللہ صاحب سے ملنے گئے، تو انہوں نے بڑے پُرسوز لہجے میں گویا ایک اندوہ ناک واقعے کی اطلاع دیتے ہوئے گویا خبردار کیا کہ: ”آپ لوگوں کو کچھ اس کی خبر بھی ہے کہ آپ صرف ایک انسان کو نہیں... بلکہ ایک استاذ، ایک شیخ الحدیث، ایک مؤرخ، ایک شاعر، ایک ادیب، ایک مجاہد اور ایک سچے عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو منوں مٹی تلے پنہاں کر آئے ہو۔ آہ! ایک عظیم، ہستی دنیا سے اوجھل کر دی گئی ہے!!!“ میں سمجھتا ہوں کہ فاتی صاحب کے عشقِ مصطفیٰ کی ایک ننھی سی جھلک دیکھنے کے لیے اُن ہی کے اشعار کا ایک مختصر سا حصہ ملاحظہ کرنا چاہیے۔ لیجیے۔۔۔

جمیل و نازیں تم ہو، حسینوں کے حسیں تم ہو
اُجالے جس سے پھوٹے ہیں، وہ مہتابِ میں تم ہو
گنہ گاروں کا ہوگا آسرا، جو روزِ محشر میں
وہ ختمِ المرسلین تم ہو، شفیعِ المذنبین تم ہو
تہی پہ ناز ہے ساری خدائی کو حضورِ ما
سراپا رحمتِ کون و مکاں، اے مہ جبیں تم ہو
ہوئے رشکِ عدن جس سے، حجاز و نجد کے ذرے
وہ حسنِ سرمدی تم ہو، وہ نورِ اولیں تم ہو
خدا نے دیا ہے معجزہ آیاتِ قرآن کا
صفا کی جلو توں میں زمزے توحید کے گونجے
زبانِ فاتی عاجز ہے، تیری مدح سے قاصر
خدا کے بعد بس اک رحمۃ اللعالمین تم ہو
استاذ جی کا یہی وہ عشق اور خصوصیات تھیں، جن کی وجہ سے تمام طلباء اور اساتذہ فاتی صاحب کا تہہ دل سے بے حد احترام کرتے تھے۔ جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا جا چکا ہے کہ فاتی صاحب ’کتابِ خواں‘ ہونے کے ساتھ ساتھ ایک ’صاحبِ کتاب‘ بھی تھے، اسی طرح آپ کے ایمانی بحر کی موجوں میں ایک اضطراب بھی تھا۔ اسی اضطراب کی بدولت وہ ایک مجاہدانہ مزاج کے حامل انسان بھی تھے۔ جہاد اور مجاہدین سے ٹوٹ کر محبت کرنا ان کی گٹھی میں پڑا ہوا تھا۔ استاذ جی کے سعادت مند شاگردوں میں سے ایک مجاہدین بھی ہیں۔ اکثر آپ کی مجلس میں حاضر

ہوتے اور مفید مشورے لیتے تھے۔ امت مسلمہ کے تمام مسائل کا حل صرف اور صرف اسلام کے ذاتی انداز جہاں بانی اور نظام اقتصاد یعنی جس خلافت راشدہ میں پنہاں ہے... اُسی کی ایک سنہری کڑی ”امارت اسلامیہ افغانستان“ کے روشن دنوں میں استاذ جی نے افغانستان کا سفر اور مجاہدین کے محاذوں کا باقاعدہ دورہ کیا اور امیر المومنین ملا محمد عمر مجاہد حفظہ اللہ سے شرفِ ملاقات بھی حاصل فرمایا تھا۔ نامور کمانڈر امیر المجاہدین مولانا جلال الدین حقانی صاحب مدظلہ العالیہ، قاتلِ صاحب کے بلند رتبہ استاذ تھے۔ آپ اکثر ان کا تذکرہ فرماتے اور ہر درس کے بعد اور دیگر مواقع پر بھی مجاہدین فی سبیل اللہ کے لیے خصوصی دعا فرمایا کرتے تھے۔ استاذ جی کو جب کبھی بھی مجاہدین کی فتح یا کسی کامیاب حملے کی خبر ملتی، تو خوشی سے نہال ہو جاتے اور ہمیں دعائیں دینے کے ساتھ اپنی تمنائے دل کا اظہار فرماتے کہ: ”جب بھی کوئی ایسی بات ہو، تو مجھے ضرور بتایا کرو۔“ آپ ہسپتال میں بیماری کے دوران بھی مجاہدین کے احوال پوچھتے رہے اور ان کی کامیابی کے لیے اپنے محبوب الدعوات رب کائنات کے حضور دعائیں مانگتے تھے۔ گویا ان کا حال یہ تھا...۔

ہوتا ہے اشہ، اُن کی دعاؤں میں یقیناً غازی کی دعا اور کبھی غازی کو دعا دو

آپ لیلائے شہادت کے حصول کی بھی بہت دعائیں مانگا کرتے تھے۔ استاذ جی ایک دفعہ ہسپتال میں بہت زیادہ روئے۔ جب ہم نے وجہ پوچھی، تو آپ نے دل کی اتھاہ گہرائیوں میں شوقِ شہادت کی دہلی چنگاری سے پیدا ہونے والا داغ جگر دکھاتے ہوئے فرمایا: کہ ”کاش! اللہ تعالیٰ مجھے شہادت عطا فرمادے۔“

استاذ جی کی ذاتی زندگی:

استاذ جی اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ پر عمل پیرا رہتے ہوئے فقیرانہ طرزِ حیات کے قائل تھے۔ آپ دارالعلوم کی طرف سے دیے گئے ایک چھوٹے سے مکان میں رہائش پذیر تھے اور جامعہ کی طرف سے دیے جانے والے مختصر سے ”حق الزحمۃ“ پر گزارا کرتے تھے۔ سادہ مزاجی اور بے تکلفی استاذ جی کے قلندرانہ مزاج کی وہ خصوصیات تھیں، جنہوں نے آپ کو اس بات پر ڈٹے رہنے پر بہت معاونت فراہم کی کہ دنیا سے خوشی ایک بھی لمحہ کا نہیں مانگنا چاہیے۔ کیوں کہ آپ جانتے تھے کہ یہ وہ قرض ہوتا ہے، جسے اتارنے میں آدمی کی ایک عمر صرف ہو جایا کرتی ہے۔ گھر کے اندر ایک چھوٹی سی اور سادہ سی بیٹھک تھی، جو استاذ جی کا دارالمطالعہ بھی تھی۔ آپ کی عظیم ہستی اسی بیٹھک میں بیٹھ کر رشتہ کتاب و قلم میں مگن رہتی تھی۔ اور بلاشبہ یہ دو شعر آپ کی اس قلمی رشتہ داری کے بلند مقصد کو عیاں کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے...۔

قلم کی دھار سے شمشیر اور خنجر بناتا ہوں میں کاغذ کی سیاہی کاٹ کر لشکر بناتا ہوں

میرے افکار میں ہر خواب کی تعمیر ہے میں ان افکار سے حالات بہتر بناتا ہوں

گھریلو اقتصادی مسائل کی تعمیر و ترقی کے لیے سنی اور نہ ہی کبھی ان کے

چہرے پر اس کے آثار نمایاں ہوئے ہیں۔ پھر بھی کچھ نہ ہونے کے باوجود نصرتِ خداوندی ہی کے بھروسے پر آپ غریب طلباء سے حتی المقدور مالی تعاون فرمایا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دو میٹھ عنایت فرما رکھے تھے۔ آپ نے دونوں کو علمِ دین سیکھنے میں لگا دیا تھا۔ استاذِ جی کی مجلس میں بہت بڑے بڑے لوگ آتے تھے اور آپ کے بہت زیادہ سیاسی تعلقات تھے، لیکن اس کے باوجود انہوں نے کبھی بھی اُن سے کوئی دینی یا سیاسی فائدہ نہیں اٹھایا تھا۔ وہ درحقیقت دنیا میں 'مُكْنٌ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيبٌ أَوْ عَابِرُ سَبِيلٍ' کے حقیقی مصداق تھے۔

رحلت:

آپ گردوں کی شدید بیماری کے باعث ایک مہینہ حیات آباد کمپلیکس پشاور میں زیرِ علاج رہے، لیکن وقتِ اجل کے آہنچنے کی وجہ سے اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔ انا لله وانا اليه راجعون۔ یقیناً ایسی ہی بزرگ ہستیوں کے بارے میں کسی مقام شناس شاعر نے کہہ رکھا ہے...

اگر یہ مانتے ہو موتِ عالم، موتِ عالم ہے
تو موتِ مرشدِ کامل کا بولو، نام کیا ہو گا؟

☆☆☆

وہ مچھڑا تو اٹھا دنیائے دل سے
خیالِ زندگانی کا جنازہ
یہ دیکھو بھی ذرا بردوشِ تقدیر
محبت کی جوانی کا جنازہ
بہت ہی دھوم سے نکلا ستم ہے
حیاتِ جاودانی کا جنازہ
عجب دیکھا فلک نے یہ تماشا
یہ قبل از مرگ فانی کا جنازہ

(فانی)

مولانا عطیف الرحمن یوسفزئی

خزینہ علم و دانش

اللہ تبارک و تعالیٰ جہاں انبیا کرام کا سلسلہ جاری فرما کر انسانیت پر انعام کیا وہاں نبی مکرم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمۃ اللعالمین اور خاتم النبیین مبعوث فرما کر اس امت پر احسان عظیم فرمایا۔ پہلے انبیا علیہم الصلوٰات والتسلیمات ایک دوسرے کی جگہ لے لیتے تھے جیسا کہ حدیث: کانت بنوا اسرائیل تسوسہم الانبیاء سے ظاہر ہے، لیکن آپ علیہ السلام کی ذات گرامی انبیا کے سلسلے کی آخری کڑی ہے، قرآن کی متعدد آیات اور کئی احادیث مبارکہ اس پر دال ہیں یہی وجہ ہے کہ خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امت کے علما کو انبیا کا وارث اور جانشین قرار دیا۔

علماء ربانیین نے زندگی کے ہر شعبہ میں امت کی رہنمائی فرمائی اور صحیح معنوں میں نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے بعد بہترین نمونہ کا کردار ادا کیا، ان میں ایک نام شیخ الحدیث مولانا حافظ محمد ابراہیم فانی رحمہ اللہ کا ہے۔

دریائے سندھ کے دائیں کنارے آباد قدیم، تاریخی قصبہ زروبی ضلع صوابی میں یوسف زئی قبیلے کے ایک ممتاز علمی خانوادے میں آنکھ کھولی، فانی صاحب کے خاندان کو معاشرے میں ممتاز مقام حاصل ہے اندرون و بیرون ملک علمی و ادبی اور سیاسی حلقوں میں قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے آپ کے آباء اجداد صدیوں سے علم و دانش کی شمعیں روشن کئے ہوئے ہیں جن سے ایک دنیا فیض یاب ہو چکی ہے، والد گرامی امام المصطفیٰ شیخ التفسیر والحدیث حضرت علامہ عبدالحلیم صاحب نور اللہ مرقدہ فاضل دیوبند اور دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے صدر مدرس رہ چکے ہیں۔ ایک چچا مولانا عبدالحلیم پشاور ی ٹم زروبی رحمہ اللہ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ کے دست راست اور فتنہ ارتداد کیلئے تنق بے نیام تھے۔ جنگی انتھک جدوجہد اور حق گوئی سے علاقہ بھر میں مرزائیت نے دم توڑ دیا تھا۔

فانی صاحب رحمہ اللہ اپنی ذات میں ایک انجمن کی حیثیت رکھتے تھے۔ آپ خداداد صلاحیتوں کے

مالک تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو قوی حافظہ اور بیش بہا صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ علوم و فنون میں یکساں مہارت رکھتے تھے۔ دارالعلوم حقانیہ میں تقریباً ہر فن سے متعلق کتب آپ کے زیر درس رہیں۔ تصنیف و تالیف میں ملکہ حاصل تھا چار زبانوں کے فی البدیہہ شاعر تھے۔ پشتو، اردو، عربی اور فارسی پر یکساں عبور رکھتے تھے۔ مختلف موضوعات پر آپ کے کئی مقالے اور مضامین اخبارات اور رسائل کی زینت بن چکے ہیں، آپ کے علمی، تحقیقی شہ پارے اور چار زبانوں میں شعری مجموعے کتابی شکل میں منظر عام پر آچکے ہیں۔

آپ کی علمی، ادبی، تصنیفی، تحقیقی کاوشوں اور فن خطابت کو دیکھ کر امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد کی یاد آتی ہے، آپ کی فکر شاہ ولی اللہ، عبید اللہ سندھی، شیخ الہند اور حضرت مدنی کی یاد دلاتی ہے، مسند حدیث پر اپنے عظیم والد کے حقیقی جانشین نظر آتے ہیں، ادبیات و لسانیات میں ابوالحسن ندوی، علامہ اقبال، احمد فراز، خوشحال خان خٹک اور عبدالرحمن بابا کی جھلک دکھائی دیتی تھی۔ اعتدال پسندی اور میانہ روی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ تواضع، عاجزی اور انکساری کا پیکر تھے، انتہائی شفیق اور طلباء سے خندہ پیشانی سے پیش آتے تھے، نادار اور ضرورتمند طلباء کی مالی معاونت بھی فرمایا کرتے تھے۔

عیدین پر اپنے محلے کی تاریخی جامع مسجد میں خطبہ بھی دیا کرتے تھے۔ تین سال تک آپ نے مفتی اعظم محمد فرید نور اللہ مرقدہ کی نگرانی میں افتا کی تمرین کی۔ چاروں فقہی مذاہب کا وسیع مطالعہ رکھتے تھے۔ مہمانوں سے فراغت ملتی تو راقم کی آپ کے ساتھ خصوصی نشست کافی دیر تک چلتی۔ اور مختلف موضوعات زیر بحث آتے۔ جمہور کے ساتھ چلتے ہوئے اپنی الگ مجتہدانہ اور مدلل رائے بھی رکھتے تھے۔ لیکن عام نشستوں میں اسکا اظہار نہیں فرماتے تھے۔

عظیم علمی خانوادے کا یہ چشم و چراغ کہنہ مشق مدرس مفسر قرآن محدث العصر فقیہ ملت محقق دوراں شاعر فی البدیہہ ادیب باکمال مصنف اور خزینہ علم و دانش 25 اور 26 فروری 2014 کی درمیانی شب ہمیشہ کیلئے ہمیں الوداع کہہ گیا۔



کوچے میں پڑے ہیں ترے عشاق ہزاروں

بس ان میں ترا فانی دلیکیر نمایاں

© rasailojaraid.com (فانی)

محمد اسلام حقانی*

فطرت کے شاعر

اچھی اور سچی شاعری ایک سعادت ہے اور فطری ملکہ جو صرف ”زور بازو“ سے ممکن نہیں بلکہ اس کیلئے قدرتی ذہانت، صلاحیت اور استعداد کی بھی ضرورت پڑتی ہے۔ مولانا حافظ محمد ابراہیم فانی ایک پختہ مشق شاعر تھے۔ ان کی غزلوں کے کئی مجموعے اردو، پشتو، فارسی اور عربی میں شائع ہوئے ہیں۔ ان کی شاعری میں خوبصورت لفظوں کا سحر و طلسم تو ہے ہی لیکن جس طرح پھولوں کو گوندھ کر گہرا یا مالا بنائی جاتی ہے، اس طرح فانی صاحب اپنے احساسات اور خیالات کو پیارے پیارے لفظوں میں سلیقے اور قرینے سے سجاتے ہیں۔ غزل گوئی میں فانی صاحب نے شاعری کی کلاسیکی روایت سے رشتہ مستحکم اور برقرار رکھا ہے، اسلوب اور طرز ادب میں بھی ان کے یہاں بادۂ شبانہ کی سرمستیاں ہیں اور نمود سحر کا عمل خوابناک اور نشہ بیز وادیوں میں سفر کر رہا ہے۔ عشق و رومان ان کا پسندیدہ موضوع ہے۔ وصل کا حظ بھی ہے اور ہجر کا کر بھی، محبوب کی خوش التفانی بھی ہے اور بے مروتی بھی۔

محفل صاحب لاں میں دلکشا کوئی نہ تھا اہل زر کے دلیں میں درد آشنا کوئی نہ تھا
طعنہ ہائے مگر ہی ہم سہ رہے تھے رات بھر راہ پر جب آگئے تو رہنما کوئی نہ تھا
ہم تڑپتے رہ گئے نقش کف پا کے لئے جانب منزل مگر اک راستہ کوئی نہ تھا
چل دیئے سوئے بیاباں جب جنون شوق میں وسعت صحرا میں کوسوں دوسرا کوئی نہ تھا
دیکھ لی ہیں خلوتوں میں جلو توں کی لذتیں شامِ غم کی تیرگی میں ہم نوا کوئی نہ تھا
ایک اور جگہ تحریر فرماتے ہیں۔

خون ہوا پروانوں کا شمع کے دیوانوں کا

میرے دل کا حال نہ پوچھو لاشہ ہے ارمانوں کا

فانی صاحب کی شاعری میں شاد کامیاں بھی ہیں اور محرومیاں بھی۔ الغرض عشق جن تجرباتی مراحل سے

گزر رہا ہے ان کا بھرپور اور ادراک ان غزلوں میں در آیا ہے۔

* رفیق موتمر المصنفین

وہ تبسم زیر لب وہ خندہ پیشانی نہیں ہم پہ اب لطف و کرم کی وہ فراوانی نہیں
 آج پژمرده ہے کیوں وہ میرا لیا اے حسیں عکس مہتابی ہیں اللہ! نورتا بانی نہیں
 میرے دل پر درد و غم کا رقص سیمائی تو دیکھ گوکہ چہرے سے عیاں میرے پریشانی نہیں
 کتنے دل ہیں تیرے عارض زلف و کامل کے اسیر پھر بھی کہتے ہیں میرا کوئی بھی زندانی نہیں
 ہر کوئی کہتا ہے وہ معصوم صورت دیکھ کر یہ فرشتہ ہے کوئی یہ شکل انسانی نہیں
 اس انداز کی شاعری جب قاری اور سامع پر نازل ہوتی ہے تو اس سے بھی ایسے جزیرہ ہائے خواب میں
 پہنچا دیتی ہے، جہاں راحت کے بادل چھائے ہوئے ہیں اور آسودگی کی پھوار پڑ رہی ہے لیکن ان جزیروں کی
 حدود میں بعض تپتے مقامات بھی آتے ہیں جہاں سیرابی تشنگی میں اور طرب کرب میں بدل جاتا ہے۔ فانی صاحبؒ
 نے فن کے تمام تلازمات کے ساتھ نہایت سلیقہ مندی کا برتاؤ کیا ۔

بدلیں گے انداز تیرے یہ کبھی سوچا نہ تھا دل نے اے جانِ تمنا یہ ستم دیکھا نہ تھا
 تجھ سے کیوں دور ہو جاؤں کہیں گے کیا یہ لوگ چاند تھا لیکن قریب اس کے کوئی تارا نہیں تھا
 کس کو ہم آخر سناتے قصہٴ سوزِ جگر تھی بھری محفل مگر اک بھی جگر والا نہ تھا
 واقعہ یہ ہے کہ فانی صاحبؒ کا سہارا کلام ان کے حسن طبیعت کا آئینہ دار ہے۔ ان کے غزلوں میں خواہ
 وہ کسی بھی زبان میں ہو خود شناسی، خدا شناسی اور کائنات شناسی کے وہ عناصر نشانہ موجود ہیں جو ادب کی تخلیق کرتے
 ہیں۔ اساتذہٴ فن کی قدر اور احترام کو بھی ہاتھ سے نہیں جانے دیتے اور اپنی انفرادیت کے مدعی بھی ہیں ایک غزل
 کے چند اشعار ملاحظہ ہوں ۔

روز و شب کرتا ہوں تیرا وردِ نام یہ محبت کی نشانی اور ہے
 زندہ ہوں لیکن شہیدِ عشق بھی یہ حیاتِ جاودانی اور ہے
 ہوں مریدِ میر و غالبِ شعر میں پھر بھی لیکن رنگِ فانی اور ہے
 فانی صاحب کی غزل میں اظہار و بیان کا ایک نیا رنگ ملتا ہے ان کا اسلوبِ بیاں سادہ و پرتا شیر ہے
 گلِ ترکی تازہ اور بھینی بھینی خوشبو کی مانند ان کا کلام دل پر اثر انداز ہوتا ہے ملاحظہ ہو ۔

رہ الفت میں گو ہم پر بہت مشکل مقام آئے نہ ہم منزل سے باز آئے نہ ہم نے راستہ بدلا
 زمانہ ہو گیا مچھڑا ہے وہ فانی مگر میری تمنا میں نہ فرق آیا نہ حال دل ذرا بدلا
 فانی صاحبؒ نے دیگر شعراء کی زمین پر بھی غزلیں لکھیں جن میں حضرت امیر خسروؒ کی زمین ۔

بہر سو رقص چشمِ حور شبِ جانیکہ من بودم
پر بھی ایک غزل لکھی جس کے چند مصرعے نذرِ قارئین ہیں۔

بہر سو رقص چشمِ حور شبِ جانیکہ من بودم
نگاہِ ناز سے لبریز پیانے پئے ہم نے
تجلی ہی تجلی تھی خوشاودہ محفل و منظر
ترا جلوہ چراغِ طور شبِ جانیکہ من بودم
رُخ زیبائے شمع پر فنا ہوتے تھے پروانے
رہی بزم وفا معمور شبِ جانیکہ من بودم
ہر اک محوِ مشائے جمال یار تھا فانی
فانی کو حمد، نعت، غزل، نظم، قطعات، مسدس غرض شاعری کے تمام اصناف پر مکمل عبور حاصل تھا، ان کے کسی ایک غزل کو شروع کرو تو آخر تک ہی پڑھتے جاؤ گے ان کا ایک ایک شعر منتخب شدہ ہوتا ہے۔ فانی صاحبؒ کے اردو کلام کے مجموعہ نالہ زار ہی سے یہ انتخاب کیا گیا ہے۔ عربی، فارسی، اور پشتو کے کلام پر اگر کوئی صاحبِ ذوق کام کرے تو مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ، روائعِ اقبال (نقوشِ اقبال) کی طرح ”نقوشِ فانی“ لکھ سکتا ہے۔ فانی صاحبؒ کی شاعری ادب کا بہترین نمونہ ہے۔ اپنی علمی، ادبی خدمات کی بدولت وہ رہتی دنیا تک لافانی کہلائیں گے۔

اللہ تعالیٰ فانی صاحبؒ کی تمام علمی اور ادبی خدمات کو قبولیت اور مقبولیت سے نوازے اور فانی صاحبؒ کے درجاتِ عالیہ کا سبب بنائیں۔ آمین
فانی صاحبؒ کے چند اشعار پر اپنے مضمون کا اختتام کرتا ہوں۔

ساقیا نظریں ملا میں پھر نہ شاید آسکوں
آج جی بھر کے پلا میں پھر نہ شاید آسکوں
اس قدر محرمیاں اپنے مقدر میں رہیں
کچھ نہیں ان سے گلہ میں پھر نہ شاید آسکوں
آج وہ اپنی وفائیں یاد آتی ہیں مجھے
کیا دیا ان کا صلہ میں پھر نہ شاید آسکوں
اپنی وقعت کا تمہیں فانی تو اندازہ ہوا
اب نہ اتنا دل جلا میں پھر نہ شاید آسکوں



نہیں ملتا کہیں اے جانِ فانی
یہ نسخہ ضبط کا لاؤں کہاں سے
© rasailojaraid.com (فانی)

محمد زین العابدین *

اخبارات میں تعزیتی شذرات

روزنامہ اسلام:

ملک کے ممتاز دینی ادارہ دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے اُستاذ الحدیث، معروف عالم دین، شاعر اور ادیب مولانا محمد ابراہیم فانی بدھ کی صبح پشاور میں مختصر علالت کے بعد انتقال کر گئے۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔ اُن کی نماز جنازہ مولانا انوار الحق نے پڑھائی، جس میں علماء کرام، طلباء، سیاسی و مذہبی شخصیات اور عمائدین علاقہ نے کثیر تعداد میں شرکت کی۔ اس موقع پر دار العلوم حقانیہ کے شیخ الحدیث مولانا ڈاکٹر شیر علی شاہ نے مرحوم کی علمی خدمات کو خراج عقیدت پیش کیا۔ بعد ازاں انہیں سینکڑوں سوگواروں کی موجودگی میں سپردِ خاک کر دیا گیا۔

مولانا محمد ابراہیم فانی ایک قابل و تجربہ کار مدرس اور دینی حلقوں کے جانے پہچانے شاعر اور ادیب بھی تھے۔ اُن کا کلام ملک کے موقر دینی جرائد میں شائع ہوتا تھا اور وہ بیک وقت عربی، فارسی، اردو اور پشتو کے قادر الکلام شاعر تھے۔ مولانا فانی کے متعدد شعری مجموعے چھپ چکے ہیں اور سوانح نگاری میں بھی اُن کا ایک نام تھا۔ مولانا فانی کی رحلت ملک کے دینی و علمی حلقوں کے لیے ایک بڑا سانحہ ہے، اُن کی علمی و ادبی خدمات کو تا دیر یاد رکھا جائے گا۔ مولانا محمد ابراہیم فانی نے پوری زندگی اسلامی علوم و فنون کی تدریس کی اور اپنی خداداد صلاحیتوں اور محنت و لگن کے باعث دار العلوم حقانیہ جیسے ممتاز دینی ادارے کی مسندِ حدیث پر فائز ہونے کا شرف حاصل کیا۔ اللہ تعالیٰ مولانا محمد ابراہیم فانی کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔ (روزنامہ اسلام کراچی ۲۷ فروری ۲۰۱۴ء)

روزنامہ آج: آبائی گاؤں زرubi صوابی میں سپردِ خاک، نماز جنازہ میں ہزاروں افراد کی شرکت

ملک کے ممتاز عالم دین اور دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے مدرس مولانا محمد ابراہیم فانی مختصر علالت کے بعد انتقال کر گئے۔ اُن کی نماز جنازہ بدھ کے روز دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک اور بعد ازاں سہ پہر تین بجے موضع زرubi صوابی میں ادا کی گئی، جس میں جید علماء کرام، ہزاروں شاگرد، سیاسی و مذہبی شخصیات، عمائدین علاقہ اور دوست و احباب نے ہزاروں کی تعداد میں شرکت کی۔ مرحوم کے والد محترم مولانا عبدالحلیم مرحوم بھی دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے مدرس رہ چکے ہیں، وہ فاضل دیوبند اور جید عالم دین تھے، مولانا محمد ابراہیم فانی عالم دین ہونے کے علاوہ ایک مفکر، دانش ور، ادیب اور شاعر بھی تھے، انہیں چار زبانوں عربی، فارسی اور پشتو پر روانی سے عبور حاصل تھا۔ جب کہ انہوں نے ان زبانوں میں کئی دینی کتابیں بھی تحریر کی ہیں مرحوم نے اپنے پیچھے دو بیٹے، ایک بیٹی اور بیوہ سوگوار چھوڑے ہیں۔ جب کہ محمد اسماعیل اور عبدالحفیظ ان کے بھائی تھے۔

(روزنامہ آج پشاور ۲۷ فروری ۲۰۱۴ء)